(غلام گردش)

اپوزیشن اور حکومت، جمہوری نظام کے دو پہیے ہیں؟

جیسے ہی کوئی جید سیاستدان اپوزیشن کے جادوئی بنچوں پر بیٹھنا شروع کرتا ہے۔یعنی صوبائی،قومی اسمبلی یا سینیٹ میں اقتدار سے علیحدہ ہوکر مجبوری کے عالم میں حزبِ اختلاف کا حصہ بنتا ہے۔اس میں فوراً بلکہ یکا یک ایک جوہری تبدیلی آتی ہے۔اخلاقیات کے بلند اُصولوں کی سرفرازی کی بات کرنے لگتا ہے۔جمہوریت کے تسلسل کیلئے نغمہِ سرا ہوجاتا ہے۔اسکے اندر عوام کی فلاح و بہبود کیلئے ایک جذبہ موجزن ہوتا ہے جو اقتدار کی مسند پر مکمل طور پر منجمد رہتا ہے۔اسے لگتا ہے کہ حکومت ہر معاملے میں غلط در غلط ہے۔اسکا عین فرض ہے کہ ملک کی خدمت کرنے کیلئے موجودہ حکومت کو ختم کرنے کی بھرپور کوشش کرے۔اخلاقی اقدار کو ہما بنا کر پنجرے میں مقید کرنے والے جیسے ہی طاقتور منصب سے فارغ ہوتے ہیں،انہیں وہ ہر چیز یاد آتی ہے جو اپنے طاقت والے دور میں وبال لگتی تھی۔

ملک کے سیاستدانوں کی اکثریت کو آپ صرف ایک کسوٹی پر پرکھ سکتے ہیں۔اقتدار کے تخت پر جم کر بیٹھے ہوئے ہیں یا فی الوقت گردشِ زمانہ کا شکار ہیں۔پینتیس برس مسلسل اقتدار میں رہنے کے بعد آج آل شریف بالکل اسی بحرانی کیفیت سے گزر رہی ہے۔سیاست کی اعلیٰ ترین اقدار،میرٹ کی حکمرانی،احتساب کے اندر برابری کا سلوک اور انصاف۔یہ سب کچھ گردان کی صورت میں شریف خاندان اور انکے حواری ادا کیے جارہے ہیں۔محترم شہباز شریف نے تو قومی اسمبلی میں یہ بھی فرمایا ہے کہ حکومت اور اپوزیشن دراصل گاڑی کے دو پہیے ہوتے ہیں۔ان پہیوں کی قومی اہمیت کے باعث ہی جمہوریت کی گاڑی چلتی ہے۔خوب فرمایا ہے۔درست فرمایا ہے۔مگر دیکھنا تو یہ چاہیے کہ جب وہ بذات خود اقتدارِ کُل کے مالک تھے،جب انکی مرضی کے بغیر صوبے اور مرکز میں پتہ بھی نہیں ہل سکتا تھا۔اس وقت انکا عملی رویہ اپنے سیاسی حریفوں کے ساتھ کیسا تھا۔کیا حکومتی جام کے نشے میں انہیں واقعی کسی سے بھی انصاف کرنا یاد رہا تھا۔کیا واقعی مسندِ اقتدار پر بیٹھ کر انہیں میرٹ لفظ کے معنی تک یاد تھے۔میرٹ پر کام کرنا تو دور کی بات۔کیا انہیں کبھی گمان بھی ہوا تھا،کہ میرٹ نام کی چڑیا حکومت میں اہم ترین ہوتی ہے یا اسکے پر کاٹ کر رکھنا ضروری ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ اَل شریف نے اپنے دورِ اقتدار میں جمہوریت کے اعلیٰ اُصولوں کی کبھی پاسداری نہیں کی۔اپنے سیاسی حریفوں کو ذاتی دشمن گردانا۔سیاستدانوں میں تفریق تو خیر سب کے سامنے ہیں۔بیوروکریسی میں دھڑے بنا ڈالے۔مسلم لیگ ن کی بیوروکریسی اور اپنے خاندان سے وابسطہ افسروں کو اسطرح نوازا،کہ اسکی مثال مغلیہ دور کے بدترین زوال والے دور میں بھی نہیں ملتی۔ایک گریڈ اٹھارہ کے افسر کی تنخواہ ڈیڑھ لاکھ اور اسی گریڈ میں چہیتے افسر کی تنخواہ بیس لاکھ۔یہ تو بادشاہوں کے دور میں ہوتا تھا کہ اگر کسی درباری کی ادا پسند آ گئی،تو اسکا مونہہ جواہرات سے بھر دیا جاتا تھا۔اسے "شاہی خلعت" سے نوازا جاتا تھا۔لاکھوں اشرفیاں انعام میں دی جاتی تھیں۔مگر صاحبان،یہ سب شاہی طور طریقے پنجاب میں گزشتہ تین دہائیوں سے مسلسل ہوتے رہے ہیں۔سندھ کے اندر بھی معاملات ایک ہی خاندان کی نوازشات کے اردگرد گھومتے رہتے ہیں۔سندھ کا نوحہ کسی اور وقت لکھونگا۔پیپلز پارٹی کے خاصہ داروں نے پورے صوبے کو جاگیر میں بدل دیا ہے۔ہر جگہ سے بلاخوف وخطر خراج وصول کیا جاتا ہے۔وہاں میرٹ کا ذکر کرنا،صرف اور صرف مذاق ہے۔

پنجاب کی طرف آیئے۔صرف تین چار ماہ قبل ہی محترم شہباز شریف کی دس سالہ حکومت کا دور اختتام پذیر ہوا ہے۔ماضی میں نہیں جانا چاہتا۔کیونکہ پنجاب میں وزیراعلیٰ اگر دائیں صاحب بھی تھے۔تو اقتدار "برادرخورد" کی انگلیوں میں ہی تھا۔ان طلسماتی انگلیوں کو بائیس کروڑ عوام نے لاتعداد بار، ٹی وی شوز، مناظروں، انٹرویوز اور جلسوں میں دیکھا ہوگا۔چلیے، بالکل غیر جانبدار طریقے سے تجزیہ کیجئے کہ محض ایک دہائی میں کیا کیا گُل کھلائے گئے ہیں۔کیسے اقتدار کو بدترین شخصیت پرستی میں تبدیل کر دیا گیا۔اور کیسے اپنی سوچ سے مختلف لوگوں پر زندگی تنگ کی گئی۔عرض ہے، ابھی ماضی کی داستانوں کا ذکر نہیں کرنا چاہتا۔کیونکہ بہرحال اسکے لیے دیوان لکھنے پڑینگے۔ظلم، بددیانتی اور ادنیٰ کاموں کی کالی تاریخ۔صرف حافظہ کو درست کرنے کیلئے گزشتہ دس برس کی طرف ہی نظر دوڑا لیجئے۔

موصوف یعنی محترم شہباز شریف فرماتے ہیں کہ اپوزیشن اور حکومتی ارکان دراصل نظام چلانے کیلئے بے حد اہم ہیں۔ان میں باہمی تعاون حد درجہ درکار ہے۔بالکل درست بات ہے۔مگر کیا گزشتہ دس برسوں میں بطور وزیراعلیٰ، انہوں نے اور گزشتہ پانچ برسوں میں بطور وزیراعظم، انکے بڑے بھائی صاحب نے اس جمہوری اُصول کو کبھی عملی طور پر یاد رکھا تھا۔کبھی اپوزیشن سے اس قدر تعلق بھی رکھا تھا کہ انکی جائز بات ہی سنی جائے۔ہرگز نہیں۔صاحب، قطعاً نہیں۔اپوزیشن سے رابطہ، انکی عزت وتکریم کرنا تو دور کی بات۔مسلم لیگ ن، یعنی حکومتی پارٹی کے ممبران اسمبلی، جناب وزیراعظم اور وزیراعلیٰ سے ملاقات کیلئے ترستے تھے۔کیا آپ یقین کرینگے کہ بہت سے ایسے حکومتی ارکان ہیں جنکی وزیراعلیٰ صاحب سے دو دو سال، ون ٹو ون ملاقات نہیں ہوئی۔نام نہیں لکھنا چاہتا۔اسلیے کہ شروع میں عرض کی تھی کہ مقصد صرف اور صرف حقائق کو یاد کروانا ہے۔ایک صوبائی وزیر ملے۔یہ آٹھ ماہ پہلے کی بات ہے۔فرمانے لگے کہ وزیراعلیٰ تو دور کی بات، مجھے تو وزیراعلیٰ کا سیکرٹری تک ملنا پسند نہیں کرتا۔ہاں، چند ایسے "گرو" قسم کے ارکان تھے، جنہوں نے جناب شہباز شریف کے سٹاف کو ہر طریقے سے قابو کر رکھا تھا۔انکا کوئی جائز یا ناجائز کام نہیں رُکتا تھا۔بلکہ انہیں تو وزیراعلیٰ تک جانے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔انکا ہر کام کمال آسانی سے ہو جاتا تھا۔یہ گرو حضرات انتہائی شفافیت کے ساتھ "قیمتی تحفے تحائف اور سبز کرنسی" کی لین دین کے ماہر تھے۔ویسے اس کھیل میں کئی انتہائی ایماندار سرکاری ملازم بھی شامل تھے۔وہ انتہائی کائیاں طریقے سے "پیسے کے لین دین" کے ذریعے ہر پوسٹنگ کو مفتوح کرنے کی مہارت رکھتے تھے۔

اس دور کی بیچاری اپوزیشن کا ذکر کرنا تو عبث ہے۔ممبران جن میں پی ٹی آئی، کی تعداد واضح تھی۔ان پر سرکاری دفاتر کے دروازے مکمل طور پر بند کر دیے گئے تھے۔اپنے حلقوں میں کسی کا جائز کام بھی نہیں کروا سکتے تھے۔ڈی سی او، ڈی پی او پر پابندی تھی کہ انہوں نے حزبِ اختلاف کے کسی بندے کو دفتر میں نہیں گھسنے دینا۔پورے صوبے کی سرکاری مشینری کا ہر فرد، حزب اختلاف کیلئے صرف ایک جملہ استعمال کرتا تھا، کہ آپکا کام نہیں ہوسکتا۔یہ شہباز شریف صاحب کا حکم ہے۔جائز کام کی بات کر رہا ہوں۔اسلام آباد اور لاہور کا ایک دفتر یا بابو بتا دیجئے، جس نے شہباز شریف کے دس برسوں میں اپوزیشن کے ممبران کو گھاس ڈالی ہو۔انکے ووٹ کی طاقت کا احترام کیا ہو۔انہیں بے عزت نہ کیا ہو۔میاں صاحبان تو انتقام میں اس قدر آگے نکل گئے تھے کہ انہوں نے سیاسی حریفوں کے خلاف مقدمات درج کروانا ایک عام سی روٹین بنالی تھی۔ان دس برس میں اگر حزب اختلاف کا کوئی ممبر تھانہ اور کچہری میں خوار نہیں

ہوا،تو وہ صرف اور صرف قسمت کا دھنی ہی ہوسکتا ہے۔ ورنہ تقریباً ہر ایک کو مکمل طور پر رسوا کرنے کی بھرپور کامیاب کوشش کی گئی تھی۔ حزب اختلاف کو چھوڑیئے۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ کے جس محترم حکومتی ایم این اے نے جناب میاں نواز شریف کے سامنے صرف یہ بات کرنے کی جرات کی تھی، کہ ایم این اے سکول کے بچے نہیں ہیں اور نہ ہی محترم وزیراعظم، آپ ہیڈ ماسٹر ہیں۔ اسکے ساتھ کیا ناروا سلوک کیا گیا، یہ سب کو معلوم ہے۔ انکے متعلق ضلعی انتظامیہ کو باقاعدہ احکامات جاری کیے گئے تھے، کہ انکا کوئی کام نہیں ہونا چاہیے اور ہوا بھی یہی۔ حکومتی ایم این اے کو ایک جمہوری عرض داشت کرنے پر پاتال تک کی سیر کروادی گئی۔ ہر سرکاری بابو، ان سے کترانے لگا۔ یہ صرف دو ڈھائی سال پہلے کی بات ہے۔ چاہیں تو آپ اس واقعہ کو بذات خود تصدیق کر سکتے ہیں۔

چلیے، سارے معاملات کو نظر انداز کر دیجئے۔ میاں صاحبان کے دورِ اقتدار میں قومی اور صوبائی اسمبلی کے اسپیکروں نے حزب اختلاف کے کتنے ممبران کے "پروڈکشن آرڈر" جاری کیے تھے۔ اگر غلطی سے کوئی جاری ہو بھی گیا ہو، تو اس پر کتنا عمل ہوا تھا۔ یاداشت میں ایک بھی ایسا جمہوری واقعہ نہیں ہے جس میں اسپیکر صاحب نے جرات کرتے ہوئے اس اچھی روایت کی پاسداری کی ہو۔ آل شریف کے خوف کے سامنے، سپیکر صاحبان فیصلوں میں کتنے آزاد تھے، یہ سب کو معلوم ہے۔ قومی اسمبلی کے موجودہ اسپیکر نے بہرحال ایک محترم رویہ اپنایہ ہے۔ وہ رویہ، جو شہباز شریف نے اپنے اقتدار میں پی ٹی آئی کے ممبران کے متعلق ہرگز ہرگز روا نہیں رکھا۔ میاں صاحب کو دو بار، قومی اسمبلی میں پیش کروایا گیا ہے۔ چھوٹے میاں صاحب وہاں، گھنٹوں صرف اور صرف ذاتی کرپشن کے کیس پر وضاحتیں دیتے رہے۔ جمہوریت کے متعلق انہوں نے کیا فرمایا۔ اس نکتہ کو تلاش کرنا اَز حد مشکل ہے۔ اب انکا یہ فرمانا کہ اپوزیشن اور حکومت، جمہوریت کی گاڑی کے دو لازم و ملزوم پہیے ہیں، بجا ہے۔ مگر انکے بڑے بھائی صاحب اور انکے اپنے دور میں اس جمہوری اُصول کی کوئی سنجیدہ مثال ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی۔ آپ بھی تلاش کرنے کی کوشش کیجئے۔ شائد ہم سب کی رہنمائی ہو جائے؟

راؤ منظر حیات